ہے کہ آخر میں کلیم جیسے شاعر مزاج، برخود غلط، ضدی اور ناعاقبت اندیش آدمی کا انجام جس توبہ اور استغفار کے ساتھ دکھایا گیا ہے وہ غیر فطری سا ہے۔ اسے ہم نذیر احمد کی سوچی سمجھی اسکیم کہہ سکتے ہیں۔ بہر حال یہ کردار نذیر احمد نے بڑی مہارت سے تخلیق کیا ہے۔ کلیم سے ہر قاری کے دل میں ہمدردی اور محبت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اسے بھلایا نہیں جا سکتا۔

ظاہر دار بیگ: توبتہ النصوح میں تیسرا اہم رول مرزا ظاہر دار بیگ کا ہے جسے کامیاب ٹائپ کہہ سکتے ہیں اور جو نذیر احمد کے وسیع مشاہدے اور عمیق تجربے کا غماز ہے۔

مرزا ظاہر دار بیگ، خوشامدی، چرب زبان اور مکار واقع ہوا ہے وہ بنے کا ساتھی ہے بگڑنے کا نہیں۔ اور جھوٹوں کی نمائندگی بھی اچھی کر لیتا ہے۔ کلیم سے اس کا تعارف ایک محفل مشاعرہ میں ہوا تھا یہ پہلی ملاقات مستقل طور پر کلیم سے یاری کا سبب بنی اور روزانہ ہی مرزا صاحب کی نشست کلیم کے یہاں ہونے لگی۔ مرزا نے اپنا اصل احوال کبھی کلیم پر ظاہر نہیں کیا بلکہ ہمیشہ کلیم کے سامنے خود کو رئیس زادہ ہی بتایا۔ کلیم بھولا اور بے وقوف تو تھا ہی اس نے یقین کر لیا کہ جمعدار کا تمام ترکہ اور جائداد مرزا کو ملی ہے اور وہ جمعدار کی محل سرا میں رہتا ہے۔ اسی بنا پر کلیم جمعدار کی محل سرا کو مرزا کی محل سرا، جمعدار کے دیوان خانہ کو مرزا کا دیوان خانہ اور تمام نوکر چاکر کو بھی مرزا کے نوکر چاکر سمجھتا تھا۔ لیکن اب تک کلیم کو کبھی مرزا کے یہاں جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ کلیم جب گھر سے ناراض ہو کر نکلا تو اس نے سوچا کہ مرزا سے زیادہ کون میرا ہمدرد اور غم خوار ہو سکتا ہے اس لیے مرزا کی محل سرا پر قیام کرنا چاہیئے۔ یہ سوچ کر کلیم دن چھپے مرزا کے دولت خانہ پر پہنچے۔ مرزا کو آواز دی بار بار آواز دینے پر دو لونڈیاں چراغ لیے ہوئے اندر سے نکلیں اور پوچھا:

"آپ کون صاحب ہیں؟ اور اتنی رات گئے آنے کا سبب؟"

کلیم : جاؤ مرزا کو بھیج دو۔

لونڈی : کون مرزا؟

کلیم : مرزا ظاہر دار بیگ جن کا مکان ہے، اور کون مرزا؟

Scanned by CamScanner

رونڈی : یہاں کوئی ظاہر دار بیگ نہیں ہے۔

اتنا کہہ کر قریب تھا کہ رونڈی پھر کواڑ بند کرلے کہ کلیم نے کہا کہ کیوں جی کیا یہ جمعدار صاحب کی محل سرا نہیں ہے؟

رونڈی : ہے کیوں نہیں؟

کلیم : پھر تم نے یہ کیا کہا کہ کوئی ظاہر دار بیگ نہیں۔ کیا ظاہر دار بیگ جمعدار کے وارث اور جانشین نہیں ہیں؟

رونڈی : جمعدار کے وارثوں کو خدا سلامت رکھے، مواظاہر دار بیگ جمعدار کا وارث بننے والا کون ہوتا ہے؟

دوسری رونڈی: اری کم بخت۔ یہ کہیں مرزا بانکے کے بیٹے کو نہ پوچھتے ہوں.....

کیوں میاں۔ وہی ظاہر دار بیگ ناجن کی رنگت زرد زرد ہے۔ آنکھیں کرنجی، چھوٹا قد، دبلا ڈیل اپنے تئیں بہت بنائے سنوارے رہا کرتے ہیں۔

کلیم : ہاں ہاں، وہی ظاہر دار بیگ۔

رونڈی : تو میاں اس مکان کے پچھواڑے اپلوں کی ٹال کے برابر ایک چھوٹا سا کچا مکان ہے وہ اس میں رہتے ہیں۔

کلیم نے رونڈی کے بتلائے ہوئے دوسرے مکان پر جاکر آواز دی۔ مرزا صاحب ننگ دھڑنگ جانگیہ پہنے ہوئے باہر تشریف لائے اور کلیم کو دیکھ کر شرمائے اور بولے۔

آہا آپ ہیں۔ معاف کیجیے گا، میں نے سمجھا کوئی اور صاحب ہیں۔ بندہ کو کپڑا پہن کر سونے کی عادت نہیں۔ میں ذرا کپڑے پہن آؤں تو آپ کے ہم رکاب چلوں۔"

کلیم : چلیے گا کہاں؟ میں آپ کے پاس تک آیا تھا۔

مرزا : پھر اگر کچھ دیر تشریف رکھنا منظور ہو تو میں پردہ کرادوں۔

کلیم : میں آج شب آپ ہی کے ہاں رہنے کی نیت سے آیا ہوں۔

مرزا : بسم اللہ، تو چلیے اسی مسجد میں تشریف رکھیے۔ بڑی فضا کی جگہ ہے میں ابھی آیا۔"

Scanned by CamScanner

کلیم نے مسجد کا رخ کیا اور جا کر دیکھا تو ایک نہایت پرانی مسجد ہے جس میں نہ کوئی ملا ہے نہ موذن، نہ مسافر نہ طالب علم۔ ہزاروں چمگادڑوں سے آباد ہے۔ ان کی چیخ پکار سے کان کے پردے پھٹے جا رہے ہیں اور ان کی بیٹ سے فرشِ مسجد آراستہ ہے۔ یہ تو مسجد کا نقشہ تھا۔ ادھر حضرت مرزا صاحب ایسے گھر میں گئے کہ اب آتے ہیں اور تب آتے ہیں۔ رات خاصی بیت گئی۔ ناچار کلیم کو مسجد ہی میں قیام کرنے کا طے کرنا پڑا۔ خدا خدا کر کے مرزا صاحب تشریف لائے۔ کلیم ان سے شکایت کرنے ہی والا تھا کہ حضرت نے اپنی مجبوری اور معذوری کا اظہار کرتے ہوئے بیوی کی علالت کی خبر سنائی اور ایک ہی سانس میں کلیم سے پوچھا کہ: "آپ کی اس وقت بندہ نوازی فرمانے کی کیا وجہ؟" کلیم نے اپنے باپ سے ناراض ہو کر گھر سے نکلنے کا سارا قصہ سنا دیا۔

مرزا : پھر اب کیا ارادہ ہے؟

کلیم : سوائے اس کے کہ اب لوٹ کر جانے کا ارادہ تو نہیں ہے اور جو آپ کی صلاح ہو؟

مرزا : خیر نیت شب حرام، صبح تو ہو۔ آپ بے تکلف استراحت فرمائیے۔ میں جا کر بچھونا وغیرہ بھیجے دیتا ہوں اور مجھ کو مریضہ کی تیمارداری کے لیے اجازت دیجیے کہ آج اس کی علالت میں اشتداد ہے۔

کلیم کو مرزا کی ان تمام باتوں پر حیرت ہوتی ہے اور شاید غصہ بھی آتا ہے۔ چنانچہ وہ مرزا سے پوچھتا ہے:

کلیم : یہ ماجرا کیا ہے؟ تم تو کہا کرتے تھے ہمارے یہاں دوہری محل سرائیں متعدد دیوان خانے کئی پائیں باغ ہیں۔ حوض اور حمام اور کڑے اور گنج اور دکانیں اور سرائیں۔ میں تو جانتا ہوں عمارت کی قسم سے کوئی چیز ایسی نہ ہو گی جس کو تم نے اپنی ملک نہ بتایا ہو، یا یہ حال ہے کہ ایک متنفس کے واسطے ایک شب کے لیے تم کو جگہ میسر نہیں۔ جو جو حالات تم نے اپنی زبان سے بیان کیے ان سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ جمعدار کے تمام ترکہ پر قابض اور متصرف ہو لیکن میں اس تمام جاہ و حشمت کا ایک کرشمہ بھی نہیں دیکھتا۔

اس پر مرزا نے نہایت مبالغے سے کام لے کر اپنی پشیمانی اور پریشانی کی وجہ بیان کی جس پر

Scanned by CamScanner

کلیم نے خاموشی اختیار کرلی۔ اور کلیم نے مرزا سے کہا کہ بہر حال پہلے آپ ایک چراغ تو بھوائیے تاکہ اس مسجد کی تاریکی سے نجات ملے۔ اس پر مرزا کا ارشاد سنیے اور کردار ملاحظہ فرمائیے:

مرزا : "چراغ کیا میں نے لیمپ روشن کرانے کا ارادہ کیا تھا، لیکن گرمی کے دن ہیں پروانے جمع ہوں گے..... اس مکان میں ابابیلوں کی کثرت ہے، روشنی دیکھکر گرنے شروع ہوں گے اور آپ کا بیٹھنا دشوار کریں گے۔ تھوڑی دیر صبر کیجیے ماہتاب نکل آتا ہے۔"

مرزا ظاہر دار بیگ کی پول برابر کھلتی جارہی ہے۔ کلیم کے تصور میں بھی نہ تھا کہ اس کا رات دن کا ساتھی اس کے ساتھ یہ سلوک کرے گا اور اس قدر بے مروتی اور حیلہ سازی سے پیش آئے گا۔ بہر حال جیسے تیسے مرزا نے ایک میلی دری اور کثیف سا تکیہ مسجد میں بھیج دیا۔ لیکن ابھی کلیم کے سامنے ایک مسئلہ درپیش تھا وہ یہ کہ جس وقت کلیم گھر سے نکلا تھا تو غصے اور طیش کی حالت میں کھانا بھی نہیں کھا سکا تھا۔ اسے مرزا کی بے تکلفی رفاقت سے یہ توقع تھی کہ وہ کھانے کے لیے ضرور اصرار کرے گا لیکن مرزا نے تکلفاً بھی اس سلسلے میں کلیم سے کوئی بات نہ پوچھی! ادھر کلیم کا بھوک کے مارے برا حال ہو رہا تھا۔ جب کلیم نے دیکھا کہ مرزا اب ساری رات کے لیے رخصت ہونا چاہتا ہے تو کلیم نے خود ہی بے عزت بن کر مرزا سے کہا کہ یار سنو میں نے تو ابھی کھانا بھی نہ کھایا ہے۔

مرزا : "سچ کہو۔ نہیں جھوٹ بہکاتے ہو؟"

کلیم : "تمہارے سر کی قسم میں بھوکا ہوں۔"

مرزا : "مردِ خدا تو آتے ہی کیوں نہیں کہا۔ اب اتنی رات گئے کیا ہو سکتا ہے دکانیں سب بند ہو گئیں اور جو دو ایک کھلی بھی ہیں تو باسی چیزیں رہ گئی ہوں گی۔ جن کے کھانے سے فاقہ بہتر ہے۔ گھر میں آج آگ تک نہیں سلگی مگر ظاہر تم سے بھوک کی سہار ہونی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ دیو اشتہا کو زیر کرنا بڑی ہمت والوں کا کام ہے ایک تدبیر سمجھ میں آتی ہے کہ جاؤں چھدامی بھڑ بھونجے کے یہاں سے گرم گرم خستہ چنے کی دال بنوا لاؤں۔ بس ایک دھیلے کی مجھ کو تم کو دونوں کو کافی ہو گی۔"

یہ کہہ کر مرزا صاحب جلدی سے اٹھ کر باہر گئے اور آناً فاناً چنے بھنوا لائے۔ دھیلے کے چنے بھی

Scanned by CamScanner

کچھ کم ہو گئے تھے شاید اس نے راستے میں کھا لیے تھے، غرض کہ دو تین مٹھی چنے سے زیادہ نہ تھے۔ مرزا ظاہر دار بیگ کی ظاہر داری، مکاری اور حیلہ سازی کی حرکات آپ نے ملاحظہ فرمائیں۔ اب ان کی چرب زبانی بھی دیکھیے۔ جب وہ چنے خرید کر لایا تو بہت خوش ہو کر کلیم سے مخاطب ہوا اور فرمایا:

مرزا: یار ہو تم بڑے خوش قسمت کہ اس وقت بھاڑ مل گیا۔ ذرا واللہ ہاتھ تو لگاؤ دیکھو کیسے جھلس رہے ہیں اور سوندھی سوندھی خوشبو بھی عجیب ہی دل فریب ہے کہ بس بیان نہیں ہو سکتا تعجب ہے کہ لوگوں نے خس اور مٹی کا عطر نکالا مگر بھنے ہوئے چنوں کی طرف کسی کا ذہن منتقل نہیں ہوا۔ کوئی فن ہو، کمال بھی کیا چیز ہے دیکھیے اتنی تو رات گئی ہے مگر چھدامی کی دکان پر بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ بندہ نے تحقیق سنا ہے کہ حضور والا کے خاصے میں چھدامی کی دکان کا چنا بلا ناغہ لگ کر جاتا ہے اور واقع میں ذرا آپ غور سے دیکھیے کیا کمال کرتا ہے کہ بھونتے میں چنوں کو سڈول بنا دیا گیا ہے۔ بھئی تمہیں میرے سر کی قسم سچ کہنا ایسے خوبصورت خوش قطع سڈول چنے تم نے پہلے بھی کبھی دیکھے تھے؟ دال بنانے میں اس کو یہ کمال حاصل ہے کہ کسی دانے میں خراش تک نہیں۔ ٹوٹنے پھوٹنے کا کیا مذکور اور دانوں کی رنگت دیکھیے کوئی بسنتی، کوئی بتیسی، غرض دونوں رنگ خوش نما۔ یوں تو صدہا قسم کے غلے اور پھل زمین سے اگتے ہیں لیکن چنے کی لذت کو کوئی نہیں پاتا۔ آپ نے وہ ایک ظریف کی روایت سنی ہے؟" ؎

کلیم: فرمائیے"

مرزا حضرت میکائیل اور چنے کی حکایت سنانا شروع کر دیتا ہے۔ کلیم خاموشی سے سن لیتا ہے مجبور ہے اور رات کسی نہ کسی طرح گزارنی ہے۔ مرزا کے رخصت ہونے کے بعد رات گئے تک کلیم نے مسجد اور مرزا کی شان میں مثنویاں لکھیں، مگر صبح ہوتے ہی اس کی آنکھ لگ گئی اور کافی دیر تک سوتا رہا۔ محلے کا کوئی چور اچکا اسے غافل سوتا دیکھ کر سرہانے سے تکیہ، دری، ٹوپی، رومال اور جوتی چھتری غرض کہ سب کچھ اٹھا لے گیا۔ گویا کلیم کے سامنے ایک نئی مصیبت آ کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھ جو کھلی تو یہ سب ساز و سامان غائب دیکھا۔ دیر تک ایک عجیب کشمکش میں مبتلا رہا۔ کوئی ایسا آدمی بھی نہ تھا

Scanned by CamScanner

جسے بھیج کر مرزا کو اطلاع دیتا۔ اس کی ہیئت بڑی ڈراؤنی ہو رہی تھی۔ مسجد میں پانی تک نہ تھا کہ منہ ہاتھ دھو کر ذرا انسان بن جاتا۔ کلیم اسی اُدھیڑ بن میں تھا کہ اچانک مسجد میں ایک لڑکا داخل ہوا کلیم اسے دیکھ کر خوش ہوا اور چاہتا تھا کہ اس سے کچھ کہے مگر وہ کلیم کی ہیئت کذائی" دیکھ الٹے پاؤں ڈر کر ایسا بھاگا جیسے کوئی بھوت یا بڑی آدمی کو دیکھ کر بھاگتا ہے۔ کلیم نے اسے بہت بلایا اور پکارا مگر اس نے مڑ کر نہ دیکھا۔ مرزا ظاہر دار بیگ لاپتہ رہے۔ چار و ناچار دن بھر فاقے سے گزارا۔ شام کے وقت مرزا کے گھر جا کر دستک دی۔ تو جواب ملا مرزا تو صبح سویرے سے قطب تشریف لے گئے ہیں۔ کلیم نے اپنا تعارف کرانا چاہا اس غرض سے کہ اسے منہ ہاتھ دھونے کے لیے پانی مل جائے اور پیر میں ڈالنے کے لیے کوئی جوتی اور سر پر پہننے کے لیے کوئی ٹوپی وغیرہ۔ یہ سوچ کر کلیم نے کہا کہ "کیوں حضرت آپ مجھ سے واقف ہیں۔ اندر سے آواز آئی کہ ہم تمہاری آواز تو نہیں پہچانتے۔ اپنا نام و نشان بتاؤ تو معلوم ہو"

کلیم : میرا نام کلیم ہے اور مجھ سے اور مرزا ظاہر دار بیگ سے بڑی دوستی ہے بلکہ میں شب کو مرزا صاحب ہی کی وجہ سے مسجد میں تھا۔

گھر والے: وہ دری اور تکیہ کہاں ہے جو رات تمہارے سونے کے لیے بھیجا گیا تھا؟ تکیہ اور دری کا نام سن کر تو کلیم بہت چکرایا اور ابھی جواب دینے میں متامل تھا کہ اندر سے آواز آئی، مرزا زبردست بیگ دیکھنا یہ مَرُدوا کہیں چل نہ دے دوڑ کر تکیہ دری تو اس سے لے لو۔

کلیم یہ بات سن کر بھاگا۔ ابھی گلی کے نکڑ تک نہیں پہنچا تھا کہ زبردست نے چور چور کر کے جا لیا۔ ہر چند کلیم نے مرزا ظاہر دار بیگ کے ساتھ اپنے حقوق و معرفت ثابت کیے مگر زبردست کا ٹھینگا سر پر اس نے ایک نہ مانی اور پکڑ کر کوتوالی لے گیا۔۔۔۔" [۱۲]

کلیم کو توالی لے جایا گیا اس کا احوال بھی دردناک ہے۔ غرض مرزا ظاہر دار بیگ کی ظاہر داری نے کلیم کو خاصا مصیبت میں ڈالا۔ مرزا کے کردار سے ظاہر ہوتا ہے کہ جاگیر دارانہ عہد کے امرا اور رؤسا اور کھاتے پیتے متوسط طبقے کے اردگرد ایسے ہی خوشامدی اور مکار اور جھوٹے لوگوں کا اجتماع رہتا

Scanned by CamScanner

تھا۔ ان ہی اوصاف پر ان کی معاش کا انحصار ہوتا تھا۔ ظاہر دار بیگ اس قسم کے افراد کا حقیقی نمائندہ ہے۔ نذیر احمد کے کرداروں میں بڑا جان دار اور ناقابل فراموش کردار ہے۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے ہمارے سامنے آتا ہے مگر ایک دائمی نقش چھوڑ جاتا ہے۔

ہریالی: مبتلا کے پڑوس میں گھر کے ذرا فاصلے پر ایک عورت لکھنؤ سے دہلی آکر کرائے کے مکان میں رہی۔ یہ باکمال عورت تھی۔ تاش، گنجفہ، چوسر، شطرنج کھیلنے میں ماہر تھی اور ستار بھی بجانا جانتی تھی۔ اس کی شہرت کے چرچے عیاش طبع لوگوں تک پہنچ چکے تھے۔ وہ خود کو بیگم کہلواتی تھی۔ مصنف کے خیال میں لکھنؤ کی خانگی تھی یعنی بظاہر بازاری عورت معلوم ہوتی تھی مگر نسلاً طوائف نہ تھی۔ مگر اس میں شک نہیں کہ عورت تھی بڑی گویا۔ اس کی زبان کہے دیتی تھی کہ خواصی یا مصاحبت یا کسی دوسرے طور پر اس نے بادشاہی محلات میں ضرور تربیت پائی ہے۔ یا کیا عجب ہے کہ جیسا کہ وہ کہتی تھی خود بیگم رہی ہو۔ لسانی کے علاوہ اس کا سلیقہ مجلس بھی بہت ہی دل کش تھا وہ نہایت جلد آدمی کے دل کو ٹٹول لیتی اور ہر ایک کے ساتھ اس ہی کے مذاق کی باتیں کرتی، یہ عمل تھا جس کے ذریعے سے وہ لوگوں کے دلوں کو مسخر کرتی تھی ....."

اس بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہریالی ایک بازاری عورت تھی، جو نفسیات کی بھی ماہر تھی اور لوگوں کو اپنے دام میں پھانسنے کا فن بھی جانتی تھی۔ ویسے وہ چنداں خوب صورت نہ تھی مگر اسکی خوش لباسی اور خوش گفتاری اور انداز و ادا پر سب ہی نثار ہوتے تھے۔ مبتلا خود حسین تھا اور حسن پرست بھی، ہریالی کی ان صفات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور پہلی ہی ملاقات میں ہریالی کا گرویدہ ہو گیا۔ ہریالی بڑی مردم شناس ہے اور نفسیات انسانی سے بھی واقف ہے۔ باپ کے انتقال کے بعد ہی مبتلا کو بیگم (ہریالی) سے ملاقات کا موقع ملا۔ جیسے ہی وہ ہریالی کے مکان پر پہنچا:

"اس نے مبتلا کو دور سے کھڑے ہو کر ایسے انداز کے ساتھ سلام کیا جیسے کوئی ہندو آفتاب کو ڈنڈوت کرتا ہے اور گاؤ تکیہ جس سے وہ لگی بیٹھی تھی، چھوڑ اپنی جگہ مبتلا کو بٹھایا اور آپ مؤدب سامنے ہو بیٹھی۔ مبتلا نے چاہا کہ اس کو اپنے برابر بٹھائے مگر وہ "ایاز قدر خود بشناس" کہہ کر پہلو پر نہ آئی۔ مبتلا تو تمہید کلام ہی سوچتا رہا کہ اتنے میں وہ آپ ہی بولی:

Scanned by CamScanner